اسلامی حکومت کا ایک بنیادی اُصول۔ شوریٰ

(مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی)

۸، ۹، ۱۰، اکتوبر کو اسلام آباد (پاکستان) میں نفاذِ شریعت کے سلسلے میں ایک نہایت اہم سیمنار ہوا تھا جس میں پاکستان کے علاوہ مختلف مسلم ممالک کے نمائندے اچھی خاصی تعداد میں شریک ہوئے تھے، ہندوستان سے جن تین اصحاب کو مدعو کیا گیا تھا ان میں سے مولانا سید ابوالحسن ندوی نے تو دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے معذرت کر دی تھی، دو نمائندوں نے اجتماع میں شرکت کی ڈاکٹر نجم الدین اور مفتی عتیق الرحمن عثمانی۔ دونوں حضرات سیمنار کی پوری کارروائی میں شریک رہے اور بحثوں میں حصہ لینے کے علاوہ مقالے بھی پڑھے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی اجتماع میں پڑھا گیا تھا، جو اب قارئینِ برہان کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے مضمون اسلام کے نظامِ حکومت کے ایک اہم اصول سے متعلق تھا اس لیے اصحابِ علم نے اس کو پسند کیا۔

(برہان)

اسلامی حکومت کے اصول و مبادی بہت سے ہیں۔ اس مختصر وقت میں ان سب کے بارے میں کچھ کہنا دشوار ہے۔ دوسرے اصولوں کے متعلق دیگر فضلاء گرامی اپنے خیالات پیش کریں گے۔ میں اس موقع پر اسلامی حکومت کے اصولِ شوریٰ کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اختصار کے ساتھ۔ کیونکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ اس طرح کے اجتماعات میں کسی طویل مقالہ کا پڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔

شوریٰ درحقیقت رائے عامہ کے اظہار کا نام ہے۔ مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی نے تصریح کی ہے کہ شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی رائے معلوم کی جائے اور یہی اصول ہے جو موجودہ زمانے کے پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے۔ اور جس کی داغ بیل اسلام نے اس وقت ڈالی تھی جبکہ یورپ

جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (یعنی حکومت کے معاملات میں نظامِ شوریٰ اختیار کیجئے) اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے بارے میں یہ اصول طے کر دیا گیا کہ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ یعنی ان کے تمام کام شوریٰ کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔

اسلامی قانون کے ماہرین اور علماء اسلام کے نزدیک یہ بات طے ہو چکی ہے کہ شوریٰ اسلامی حکومت کی اساس اور اس کے فیصلوں کی بنیاد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ جب شوریٰ کا حکم آیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول اگرچہ شوریٰ سے مستغنی ہے مگر یہ حکم امت کے لئے رحمت ہے اور جو اس حکم پر عمل کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کی رہنمائی سے محروم نہ ہوگا اور جو شوریٰ کو ترک کرے گا وہ غلط راہ روی سے بچ نہ سکے گا (روح المعانی) ابن جریر کی روایت ہے قتادہ کہتے ہیں آنحضرتؐ کو وحی نازل ہونے کے باوجود اپنے اصحاب سے مشورے کا حکم ملتا تھا اور یہ اس لئے تھا کہ قوم کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے اور یہ کہ شوریٰ امت کے لئے قانون بن جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے میں اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسول اللہ صلعم تھے (ترمذی) اسی مفہوم کی حدیث حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو تحریری طور پر ہدایت کی کہ رسول اللہ صلعم قانون شوریٰ پر عامل تھے تم بھی لازماً اس پر عمل کرنا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کے تعامل سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عورتوں سے بھی مختلف معاملات میں رائے لیتے تھے (تفسیر مظہری جلد دوم صفحہ ۱۶۱۔ پر مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے ضحاک کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ فاروقِ اعظم نے عورتوں کو بھی حق رائے دہی دیا تھا۔

ان امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے ایک مجلس شوریٰ بنائے کیوں کہ ایک شخص ہر معاملہ میں اتنی واقفیت اور مہارت نہیں رکھتا جتنا معاشرہ کے دوسرے افراد رکھتے ہیں۔ مکی دور میں اجتماعی مشوروں کے لئے دار ارقم کو مجلس شوریٰ کا ایوان بنایا گیا تھا۔ مدنی دور میں حضورؐ کے زمانے تک کھلے میدانوں کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

اور مسجد نبوی میں اس طرح کے اجتماعات ہوتے تھے۔ خلافتِ راشدہ میں سب سے پہلے سقیفۂ بنی ساعدہ سے ایوانِ شوریٰ کا کام لیا گیا۔

جب اسلامی حکومت کے ایک اصول اور اساس کی حیثیت سے شوریٰ کا مسئلہ زیرِ بحث آتا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیرِ حکومت یا خلیفۂ وقت یا امام المسلمین شوریٰ کے فیصلہ کا پابند ہے یا نہیں ہم اپنے اس مقالہ کو اس بحث پر مرکوز کرنا چاہتے ہیں اور یہ اس لئے کہ اسلامی نظامِ حکومت میں امیر کی حیثیت اور اس کے اختیارات متعین ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امیر آزاد ہے اور وہ شوریٰ کے فیصلہ کا پابند نہیں اس اعتبار سے امیر کی حیثیت ان کے نزدیک آمرِ مطلق یعنی ڈکٹیٹر کی ہو جاتی ہے۔ اور شوریٰ کی حیثیت اور اہمیت صفر کے درجہ میں پہونچ جاتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسلامی حکومت، شورویٰ حکومت اور امام اس کا بااختیار رہنما اور صاحبِ تنفیذ قوت ہے اس لئے قدرتاً امام شوریٰ کے اختیارات کا نمائندہ ہے اور انتظامی معاملات میں مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں کا ترجمان۔ قرآنِ کریم میں ہے۔ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ یعنی مسلمانوں کے معاملات اور انتظامی امور آپس کے مشورہ سے انجام پاتے ہیں یہ حکم عام ہے اور حکومت کے صدر نشین کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ مجلسِ شوریٰ کے فیصلہ دینے کے بعد بھی اپنی اسی ذاتی رائے پر عمل کرے جو مجلسِ شوریٰ کے فیصلہ کے خلاف ہو حکومت کے امیر اور سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اربابِ حل و عقد سے مشورہ لے اور اس مشورہ کی پابندی کرے۔

بہت سے حضرات کو قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے اس سے غلط نتیجہ نکالا ہے وہ آیت یہ ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ کر لیا کیجئے اور جب آپ معاملہ متعلقہ میں عزم کر لیں تو اعتماد خدا ہی پر رکھیئے۔

ان الفاظ سے بہت سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مشورہ کرنا تو امام کے لئے ضروری ہے مگر مشورے کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ آیئے غور کریں کہ عزم سے پیدا ہونے والی رائے شوریٰ کے فیصلہ کی پابند ہے

پانچویں۔ غور فرمائیے کہ قرآن میں شوریٰ کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور عزم کو بعد میں اس لئے سنت اور مقصد یہ ہے کہ کسی معاملہ کو طے کرنے کے لئے مجلس شوریٰ طلب کی جائے اور یہ مجلس جو فیصلہ کر دے وہ عزم کی بنیاد بن جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر امیر یا امام شوریٰ کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیا کرے گا اور ذاتی و شخصی رائے پر عمل کرتا رہے گا تو یہ بات مجلس شوریٰ کے لئے ازالۂ حیثیت عرفی کے مرادف ہوگی اور ایسے امیر اور ایک ڈکٹیٹر کے درمیان کیا فرق رہ جائیگا۔ دوسری بات یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ اس آیت میں خطاب بطور خاص رسول اللہ صلعم سے ہے اور پیغمبر کے احکام شوریٰ کے باوجود بھی واجب التعمیل ہوتے ہیں کیوں کہ پیغمبر کی ایک حیثیت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا امیر اور والی ہوتا ہے اور دوسری حیثیت یہ ہوتی ہے کہ اس زمین پر خدا کی آواز ہوتا ہے۔ اس آیت کی رُو سے کسی صدر حکومت کو وہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے ہیں جو آپ کی ذات کو مخاطب کرکے آپ کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے ہوں۔ ہمارا مقصد اس بحث سے یہ ہے کہ اس بات سے اگر کسی کو انکار ہے کہ عزم کا تعلق مجلس شوریٰ کے فیصلہ سے بھی ہے تو بھی یہ بات نظر انداز کرنے کی نہیں ہے۔ کہ یہ حکم آپ کی پیغمبرانہ حیثیت کی وجہ سے آپ کے ساتھ مخصوص ہے اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ یعنی مسلمانوں کے کام شوریٰ سے طے پاتے ہیں۔ قرآن میں یہ الفاظ ایک مستقل دفعہ کی صورت میں موجود ہیں اور اس کے خلاف کسی حکومت کا کوئی امیر حرکت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں آیت عزم کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علیؓ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا مشاورۃ اھل الرأی ثم اتباعھم یعنی اہل رائے کا باہمی مشورہ اور اس کے بعد شوریٰ کے فیصلہ کی پیروی۔ معلوم ہوا کہ عزم حقیقت میں وہ ارادہ ہے جو امام کے دل میں شوریٰ کے فیصلہ پر کاربند ہونے کے لئے پیدا ہوتا ہے اسی آیت عزم کے سلسلہ میں احکام القرآن میں امام ابوبکر الجصاص نے واضح طور پر لکھا ہے وفی ذکر العزیمة عقیب المشاورۃ دلالة علی انہا صدرت عن المشورۃ۔ یعنی قرآن میں عزم کا ذکر شوریٰ کے بعد آیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ فیصلہ اور عزم وہی معتبر ہے جو شوریٰ کے فیصلہ کا نتیجہ ہو اور شوریٰ سے صادر ہوا

ہو۔ حافظ ابن کثیر نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ ان تمام تصریحات کے بعد امام کے شخصی فیصلہ کو شوریٰ کے فیصلہ پر ترجیح دینا درست نہیں ہوگا۔

اگر کسی کا ذہن ان تصریحات سے مطمئن نہیں ہوتا ہے اور اس کا یہ اصرار قائم رہتا ہے کہ امام کے شوریٰ کے فیصلے کے پابند ہونے پر کوئی صراحتہ النص موجود نہیں ہے تو وہ اس بات کا اقرار کم سے کم کریں گے کہ اس دائرۂ خاص میں کوئی واضح اور متعین حکم موجود نہیں ہے ان اصحاب کے لئے اکیلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے عہد کو چودہ سو سال گذر چکے ہیں۔ خلفاء راشدین کا درجہ تو بہت اونچا ہے۔ اب جو لوگ مسلمانوں میں ہیں وہ تصوف، خوفِ خدا اور احساسِ ذمہ داری میں ان کے خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔ کیا ایسے معاشرہ میں کسی فردِ واحد کو بے لگام اور مطلق العنان بنا دینا درست ہوگا۔ کیا تنہا ایک فرد کو اربابِ حل و عقد کے فیصلوں سے آزاد اور مسلمانوں کے معاملات کا تنہا ذمہ دار بنا دینا مناسب ہوگا۔

بعض لوگوں کو اس معاملہ میں جو غلط فہمی ہوگی ہے اور انہوں نے سربراہ حکومت کو مختار مطلق العنان مان لیا ہے اس کی وجہ سیرت و تاریخ کے تین واقعات ہیں جنہیں صحیح ڈھنگ سے نہیں سمجھا گیا۔ ایک صلح حدیبیہ کا واقعہ، دوسرے حضرت ابوبکر کا جیش اُسامہ کو رخصت کرنا۔ تیسرے مرتدین زکوٰۃ کے بارے میں آپ کا عمل۔

اس سے پہلے کہ ان تینوں واقعات کی صحیح تصویر پیش کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء اسلام کی ایک تصریح کا پھر سے ذکر کر دیا جائے کہ پیغمبر اسلام صلعم اس دنیا میں دو قسم کی ذمہ داریوں پر فائز تھے۔ نمبر ایک منصبِ رسالت دوسرے منصبِ امامت یہی ذمہ داریاں ہیں جن سے آنحضرت صلعم کے طرز میں فرق پیدا ہو جاتا تھا۔ آپ منصبِ رسالت کا کام خدا کے حکم کے مطابق انجام دیتے تھے اور منصبِ امامت کا کام شوریٰ کے ذریعہ سے۔ منصبِ رسالت کے کام کو ادا کرنے کے لئے آپ مشورہ ترک کر دیتے تھے لیکن یہ مشورہ لینا صرف تعلیم اُمت کے لئے تھا۔ مشورہ طلب کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری نہ تھا۔ یہاں صرف حکم الٰہی واجب التعمیل ہوتا تھا۔ البتہ اس متعین شکل کے علاوہ آپ نے کبھی اپنے

عزم کو شوریٰ کے خلاف استعمال نہیں کیا۔ شوریٰ کی پابندی کرنے کی مثالیں سیرت میں بہت سی ہیں مثال کے طور پر آپ کا اپنی خواہش کے علی الرغم مدینہ سے باہر نکل کر ۳ھ میں جنگ کرنا جو غزوۂ احد کے نام سے جانا جاتا ہے اور غزوۂ بدر کے موقع پر بھی آپ نے اپنی خواہش کے خلاف دوسروں کے مشورہ پر ایک دوسری جگہ محاذ قائم کیا۔

آپ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو لیجئے یہ ان واقعات میں سے ہے جن کو امام کے اختیارِ مطلق کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ صلح عام رائے کے خلاف صرف پیغمبرانہ ذمہ داری کے ماتحت طے پائی۔ رائے عامہ بڑی چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی ہر چیز سے بلند و بالا ہے جب عام لوگوں نے یعنی صحابۂ کرام نے اس صلح پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا تو حضور صلعم نے فرمایا کہ میں خدا کا رسول ہوں میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہ کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ خدا میرے ثمرے کو ضائع نہیں کرے گا۔ ان الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ رائے عامہ کے احتجاج کو آپ نے کس لئے نظر انداز کر دیا۔

دوسرا واقعہ جیشِ اسامہ کا ہے جو ۱۱ھ میں پیش آیا بیان کیا جاتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت اسامہ کی فوج کو شام کے محاذ پر روانگی کا حکم دیا۔ حالانکہ اسلامی حکومت کا پایۂ تخت مدینہ قبائل کی بغاوت کی وجہ سے سخت خطرات سے دوچار تھا اور صحابہ کا مشورہ یہ تھا کہ اس وقت اس فوج کو باہر نہ روانہ کیا جائے۔ اس واقعہ سے امیرِ وقت کو امیرِ مطلق قرار دینا تاریخ کے واقعہ کی غلط تعبیر ہوگی۔ اس معاملہ میں صدیقؓ اکبر نے جو کچھ بھی کہا اس میں مطلق العنانی کو ذرا بھی دخل نہیں تھا انہوں نے دیکھا کہ یہ وہ فوج ہے جس کو محاذ پر جانے کے لئے حکم خود حضور اکرم صلعم نے دیا ہے اور اس لشکر کو بھیجنا حضور صلعم کی آخری وصیت اور آخری حکم پر عمل کرنا ہے اور صحابہ کے مشورہ کے مقابلہ میں پیغمبر کا حکم زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

تیسرا واقعہ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابوبکر کا عمل جہاد ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مدینے کے اطراف میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے خلاف بغاوت پھیل گئی لوگوں کا کہنا تھا کہ نماز تو ہم پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں ادا کریں گے۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ تحمل سے کام لیا جائے اور مانعین

زکوٰۃ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے صدیق اکبرؓ نے اس مشورہ کو رد کر دیا۔ اور انہوں نے شوریٰ کے ارکان کو یاد دلایا کہ زکوٰۃ خدا کے حکم سے واجب ہے اور خدائی احکام میں شوریٰ کو کسی ترمیم کا اختیار نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کے بعد حضرت عمرؓ کو بھی شرح صدر ہو گیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے صحیح ہے اور اللہ نے ان کا دل جہاد کے لئے کھول دیا۔ اس بارے میں علامہ نووی نے شرح مسلم میں بحث کی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کے بعد صحابہؓ ان کی دلیل کے قائل ہو گئے تھے۔

یہ بڑی نادانی ہوگی کہ صدیق اکبر لوگوں کے سامنے شریعت کے اصول پیش کر رہے ہوں اور اس واقعہ کو سامنے رکھ کر کچھ لوگ یہ بات دماغوں میں بٹھانے کی کوشش کریں کہ خلیفۂ اول شوریٰ کے فیصلوں کو رد کر کے اپنی شخصی عزم پر عمل کرنے کے عادی تھے اور مطلق العنان امر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

اسلام نے جمہوریت کا جو مزاج بنایا ہے وہ آج بھی دنیا کی قوموں کے لئے نمونہ اور نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے آج مدتوں کے بعد دنیائے اسلام میں اسلامی نظام کو اپنانے اور غیر اسلامی نظاموں کو رد کر دینے کی خوش آیند اور خوشگوار لہر چل پڑی ہے۔ اس لئے اسلامی نظام کے مطابق دستور سازی کے مرحلے بھی پیش آئیں گے اور دستور سازی میں یہ مسئلہ یقیناً اہمیت رکھتا ہے کہ سربراہ حکومت اپنی شوریٰ کا پابند ہے یا شوریٰ کے فیصلہ سے آزاد۔ یہ باتیں جو گوش گذار کی گئی ہیں امید ہے بہت سے دماغوں پر دستک دیں گی اور اہل الرائے اس کے بارے میں غور و فکر سے کام لیں گے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت

(مؤلفہ مولانا سعید احمد ایم اے اکبر آبادی)

غلامی کے مسئلہ پر اسلامی نقطۂ نظر کے ماتحت ایک محققانہ بحث ہے جس میں غلامی کی حقیقت، اس کے اقتصادی، اخلاقی اور نفسیاتی پہلوؤں پر بحث کرتے کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ غلامی کی ابتدا کب سے ہوئی۔ اسلام نے اس میں کیا کیا اصلاحیں کیں اور ان اصلاحوں کے لئے کیسا پر حکمت طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ صفحات ۲۶۰ قیمت ۱۰/